دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر ملے

سید عطاء المنان بخاری

بچپن میں ہی گھر کے ایک دُبلے پتلے عمودی قد وقامت کے ایک فرد سے ہم کچھ یوں متعارف تھے کہ یہ ہمارے منّے بھائی جان ہیں۔ اور پھر معلوم ہوا کہ یہ صرف ہمارے ہی منے بھائی جان نہیں بلکہ سب کے منے شاہ جی ہیں۔ بھائی جان طویل القامت تھے جس کو ماپنے کے لیے ہم بچوں کے پاس گھر کے دروازے ہی واحد ایسا پیمانہ تھے جن سے وہ سر نیچے کر کے گزرتے تھے۔ ہم روزانہ بعد از فجر ان کے گھر قرآن مجید پڑھنے جاتے اور دیکھتے کہ بھائی جان فجر کے بعد دودھ لینے کے لیے پیدل جاتے تھے۔ انھوں نے اپنا نسواری رنگ کا مفلر چہرے اور کانوں پر لپیٹا ہوتا۔ وہ سردیوں میں موٹر سائیکل پر سفر کرتے ہوئے اپنا علامتی مفلر باندھتے تھے جب کہ گرمیوں میں سفید صافہ ہوتا۔ ہم اس وقت بہت چھوٹے تھے اور بھائی جان ہماری پوری ''بچہ پارٹی'' سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنے خاص انداز میں ہمیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اچھالتے اور ہم بھی اس اُچھل کود کے انتظار میں باری باری تیار ہوتے تھے۔

بھائی جان کی تربیتی فکر کے بارے میرے پاس کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں مگر یہ ہے کہ وہ جو خود تھے ہر ایک کو ویسا ہی بلکہ اُن کے بقول اپنے سے بھی بڑھا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ہر ایک کو مفید مشوروں سے نوازنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ بالخصوص معمارانِ مستقبل میں موجود پڑھنے پڑھانے کے فطری شوق کو بیدار کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ہمارے گھروں میں بچوں کے کئی رسائل مثلاً نونہال، تعلیم وتربیت اور پھول وہ خود لا کر دیتے اور روزناموں میں شائع ہونے والے بچوں کے صفحات بھی پڑھنے کو کہتے، اس سے صرف گھر کے بچوں ہی میں نہیں بلکہ گھر میں پڑھنے کے لیے آنے والے دیگر بچوں میں بھی پڑھنے پڑھانے کا رجحان بنا۔

اسی بات سے یاد آیا۔ گزشتہ رمضان المبارک میں ایک روز منّے بھائی جان اور میں عصر کے بعد دفتر میں بیٹھے تھے۔ میں نے اپنی تعلیم کے حوالے سے مشورے طلب کیے اور اُنھیں ایف اے کی تیاری کے سلسلے میں مطلع کیا۔ انھوں نے میری رہنمائی کے لیے بہت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اسی دوران کتابوں کے مطالعے کے حوالے سے بات ہوئی تو کہنے لگے کہ ایک نشست میں ہی پوری کتاب کا پڑھا جانا ضروری نہیں، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں بھی جب لکھنے بیٹھتا ہوں تو ایک ہی نشست میں نہیں لکھ پاتا بلکہ جب تھک جاتا ہوں تو کچھ دیر لیٹ جاتا ہوں یا پھر کسی اور کام میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ آپ بھی جب پڑھنے بیٹھو تو دو تین کتابیں پاس رکھ لیا کرو۔ جب ایک کتاب سے دل بھر جائے تو ذائقہ تبدیل کر لیا اور پھر دوبارہ اسی کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے وہ بوریت ختم ہو جاتی ہے اور کتاب خوانی کا شوق مزید بڑھتا ہے۔

ان کے وجود سے گھر میں ایک خاص قسم کی رونق ہوتی تھی۔ ویسے تو رونق اپنی اپنی جگہ بچوں اور بزرگوں سے ہوتی ہی

ہے لیکن یہ خاص طور سے محفل کی رونق ہوتے تھے۔ وہ اپنی گفتگو میں کہیں نہ کہیں کوئی مثال، لطیفہ، قصہ، کہانی ضرور جڑ دیتے تھے جس سے گفتگو اور محفل دونوں کشتِ زعفران بن جاتی تھیں۔ مجلسی آدمی تھے۔ ان کے بغیر کوئی بھی مجلس (علمی وادبی ہونا ضروری نہیں) ادھوری ہوتی تھی۔ بلکہ عام مجلس کو بھی علم و ادب کے زیور سے آراستہ کرنا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ باتوں باتوں میں بڑے بڑے عقدوں کو حل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے خاص خزانوں میں سے وہ وہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں جن کا ایک آدمی میں جمع ہونا عموماً ناممکن ہوتا ہے۔

علمی محفلوں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ اس میں تو ان کی ذات کی مشک وعنبر کی سی مہکتی خوشبوؤں نے باغیچۂ علم کے گلوں کو ایسا مسحور کیا ہوتا تھا کہ بڑے بڑے عالم بھی دیدے پھاڑ کر تکتے جا رہے ہوتے تھے۔ ان کی علمی و ادبی شخصیت کا ہر ایک معترف تھا لیکن وہ اپنے آپ پر عاجزی کا لبادہ اوڑھے ہوتے تھے۔ کسی اجنبی کا پہلی ملاقات میں ہی ان کا گرویدہ ہو جانا کوئی عجیب نہ تھا بلکہ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور علم لوگوں کو ان کی طرف اس طرح کھینچ لاتا تھا جیسے پیاسا کنویں کی طرف خود بخود کھنچا چلا آتا ہے۔ وہ ہر ایک سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کے پشتِ زمین سے بطنِ زمین میں چلے جانے کے بعد ان کے دوست احباب، اعزہ و اقارب میں سے ہر ایک اس کیفیت کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سے صحابہؓ یہی گمان کیا کرتے تھے کہ وہ مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

گھریلو زندگی کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوسکتا ہے کہ ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔'' بھائی جان کا رہن سہن ایسا ہی تھا کہ نہ ان کو آج تک کسی سے کوئی شکایت ہوئی اور نہ ہی اُن سے کسی کو۔ ظاہر ہے کہ جب شر کی بنیاد (فساد) ہی نہ ہوئی تو شر کہاں سے آئے گا۔ پھر تو خیر ہی خیر ہوگی اور خود بخود سارا گھرانہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تصویر بن جائے گا۔ اور یہ نرا مبالغہ ہی نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔

بھائی جان نے اپنی علمی و عملی زندگی کی تمام راہیں بڑی سُرعت اور آسانی کے ساتھ عبور کیں۔ صرف عبور ہی نہیں بلکہ ان کی نظروں کا یا خود ان کا بھی کسی راہ پر سے گزر جانا درحقیقت اس راہ میں کمال حاصل کرنے کے مترادف تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ ہم نے کسی بھی موضوع پر سوال کیا ہو اور آگے سے اس کا سیر حاصل جواب نہ ملا ہو۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ تو اسی تلاش میں ہوتے تھے کہ کوئی بات ہو اور وہ اپنے بڑے ماموں سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس کی تفاصیل پر ایک پُر مغز اور مدلّل تقریر کر دیں۔ کیوں نہ کرتے؟ تربیت وفیض جو انہی سے ملا تھا۔ اکبر کا شعر ہے:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

سید ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری رحمہما اللہ کی صحبت کی برکات ہی تھیں جنھوں نے ان کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ بھائی جان اپنے اکابر، حقیقی رجالِ کار، کے رنگوں میں رنگے ہوئے تھے، یعنی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تو انہوں نے اپنے اندر اُنڈیلا ہوا تھا لیکن جیسے مسِ خام کو جب زرگر بنا سنوار کر پیش کرتا ہے تو اس کی قیمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا رہا۔ یوں لگنے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہو رہی ہے کہ قربِ قیامت میں وقت اتنی سرعت سے گزرے گا کہ سال مہینوں میں، مہینے ہفتوں میں اور ہفتے دنوں میں گزرتے محسوس ہوں گے۔ کچھ ایسا

ہی معاملہ میرے بھائی جان کے ساتھ ہوا۔ ابھی تو انھیں اپنی حیات کی چالیس بہاریں دیکھے دو روز بھی نہ ہوئے تھے کہ حیاتِ دنیوی سے رفاقت کا دورانیہ مکمل ہوگیا۔ ۱۵/نومبر وجاءَ ت سکرة الموت بالحق کے حکمِ ربی کی تکمیل کے ساتھ ایک جانکاہ حادثہ دے کر ماضی ہوگیا۔ اب سے دس سال قبل اسی ماہ کی بارہ تاریخ کو ابنِ امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ ربِ جل مجدہ سے کیے عہد کو بتوفیقہٖ پوری ایمانی شان وشوکت کے ساتھ ایفا کرتے ہوئے اُن کے حضور حاضر ہوگئے تھے۔ ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء اتوار کے روز نمازِ مغرب مسجد ختم نبوت دارِ بنی ہاشم میں ادا کی۔ نماز سے قبل طے کیا گیا تھا کہ مقامی جماعتِ احرار کے ایک مخلص مقامی کارکن محمد مہربان سے ان کے والد کی وفات پر جو کہ دو روز قبل ہی ہوئی تھی، تعزیت کے لیے جانا ہے۔ اسی ارادے سے مسجد سے باہر آیا تو دیکھا کہ چند وہ چہرے جو ہمیشہ دوسروں کے لیے مسرت اور رونق کا سبب بنتے ہیں، اچانک اتنی افسردگی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ دیکھ کر ہول آتا ہے۔ تمام حضرات گھیرا بنائے محوِ گفتگو ہیں اور مکہ مکرمہ سے آئی ہوئی ایک اندوہناک خبر کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ میں نے کان لگائے تو معلوم ہوا کہ برادرِ کبیر پروفیسر سید محمد ذوالکفل بخاری یونیورسٹی سے واپسی پر ٹریفک حادثہ میں شدید زخمی ہوگئے ہیں اور حالت تشویش ناک ہے۔ بس دعا کرو......! بدن پر لرزہ طاری ہوا۔ یوں لگا جیسے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی ہو۔ پھر چند ہی منٹوں بعد بڑے بھائی جان کے فون کی گھنٹی بجی اور وہی اطلاع موصول ہوئی جس کا سب کو دھڑکا تھا، کہ بخاری صاحب اللہ کے حضور حاضر ہوگئے ہیں۔ اِتنا سننا تھا کہ تمام خوشیاں، ارادے، ان کے حوالے سے اپنے مستقبل کی سوچیں، اور ان سے وابستہ ہزاروں امیدیں ہوا ہوگئیں۔ ایک بے یقینی کی کیفیت سبھی پر طاری تھی۔ دماغ میں ایک سناٹا اور دل میں گھمبیر ویرانی چھاگئی۔ آبادؔ لکھنوی کا ایک شعر میرے ذہن میں گونجنے لگا:

آبادؔ مر کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا
دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر ملے

ذوالکفل بخاری کیا تھے؟ میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکوں گا کہ وہ دوسروں میں محبتیں بانٹنے والے اور دوستوں، عزیزوں، قرابت داروں کی محبتیں سمیٹنے والے تھے۔ وہ ایک باعمل عالم، ادیب، شاعر، محقق، مترجم، دیندار اور وضعدار انسان تھے۔ وہ ہر ایک کے مزاج، طبیعت، سوچ اور فکر کو چند جملوں سے بھانپ جاتے، اور پھر اس سے اس کی سطح کے مطابق گفتگو کیا کرتے۔

بھائی جان تو چلے گئے لیکن اپنی محبت بھری یادیں اور دیر تک زندہ رہنے والی نشانیاں باقی چھوڑ گئے۔ اور ہر جانے والا یہی دو چیزیں چھوڑ جاتا ہے۔

ہستیاں جن کو زمیں نے ہے بہت پیار دیا
آسماں کو بھی محبوب ہوئی جاتی ہیں